

سر سید احمد خاں کا نظریہ تعلیم

(ایک جائزہ)

سر سید احمد خاں کی ولادت ۵ رذی الحجہ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں تراہہ بیرم خان کے قریب اپنے نانا خواجہ فرید کی حویلی کے اس حصے میں ہوئی جو خواص پورہ کہلاتا تھا۔^(۱)

باپ کی نسبت سے سید تھے، آپ کا سلسلہ نسب نویں امام محمد تقی تک جا پہنچتا ہے، اسی وجہ سے سر سید اپنے کو ”تقوی سید“ کہتے تھے۔ سر سید کے والد ایک درویش صفت انسان تھے جو میر تقی ولد سید ہادی کے نام سے مشہور تھے، نقشبندی بزرگ شاہ غلام علی کے مرید تھے۔^(۲)

آپ کی بچپن کی تربیت زیادہ تر ان کی والدہ نے انجام دی جو بڑی دانشمند خاتون تھیں۔ بچپن کے مادری ماحول نے ان پر خاصا اثر کیا، دہلی میں ان دنوں اسلامی علوم کے دو بڑے مراکز تھے۔ ایک شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ اور دوسرا مرزا مظہر جان جاناں کے جانشین غلام علی کی خانقاہ، سر سید نے دونوں سے فیض حاصل کیا شاہ غلام علی نے ان کا نام احمد رکھا تھا، اور سر سید کی بسم اللہ کی تقریب بھی شاہ صاحب کے ہاتھوں ہوئی تھی۔^(۳)

سر سید کی تعلیمی ابتداء اسلامی اصولوں کے مطابق ہوئی، پہلے قرآن مجید پڑھا پھر فارسی کی درسی کتابیں، مولانا حمید الدین سے کریماء خالق باری اور آمد نامہ پڑھا، مولانا حمید الدین کے انتقال کے بعد دوسرے استاد سے سعدی کی گلستاں، بوستاں عربی میں شرح ملاء، شرح تہذیب، مختصر المعانی، اور مطول کا کچھ حصہ پڑھا، ہندسہ اور ریاضی کی تعلیم اپنے ماموں زین العابدین سے اور طب کی تعلیم حکیم غلام حیدر سے حاصل کی^(۴)

* شعبہ دینیات (سنی)، اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ

متعدد اساتذہ کرام سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنا مطالعہ الگ سے جاری رکھا، سرسید کے شرفِ علم کے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ جب سرسید دہلی سے قائم مقام صدر امین ہو کر روٹک جانے لگے اس وقت مولوی نوازش علی سے تکمیلِ تعلیم کر رہے تھے۔ مولوی نوازش علی سے کہا۔ آپ میرے ساتھ چلے! انہوں نے عذر کیا کہ میرے پاس بہت سے طالب علم ہیں، ان کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں، سرسید خاں نے کہا سب کو لیکر چلے! ان کے مصارف کا میں ذمہ دار ہوں، مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے، آخر سرسید مولوی صاحب کو اور ان کے تمام شاگردوں کو لے گئے، اور جب تک روٹک رہے، سب کے اخراجات کے کفیل رہے۔ سرسید کا زمانہ شباب رنگین صحبتوں میں گزرا تھا، باغوں میں گھومنا پھرنا، تماشے وغیرہ دیکھنا، ہر رنگ کے جلسوں میں شرکت کرنا، آپ خود بھی بہت حاضر جواب تھے، لیکن جب آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو آپ کا دل ان تمام رنگین ماحول سے اچاٹ ہو گیا، آپ کے پہنچاؤے میں جو اس وقت بانگین سمجھا جاتا تھا، بالکل بدل ڈالا، سر کے سارے بال کٹوا دیئے، داڑھی بڑھادی، کرتہ زیب تن کر لیا، رنگین مزاج نوجوانوں کی صحبت رفتہ رفتہ کم ہونے لگی اور روز بروز مولویت کا رنگ چڑھنے لگا۔

سرسید کے والد کو شاہی محل سے تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن والد کے انتقال کے بعد ذریعہ آمدنی بند ہو گیا، جو ملکیت آپ کے والد کے پاس تھی وہ ضبط کر لی گئی اب آپ کو نوکری کا خیال پیدا ہوا، سرسید کے خالو مولوی خلیل اللہ خاں دہلی میں صدر امین تھے۔ خالو نے سرسید کو ۱۸۳۸ء میں اپنی کچہری میں سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ اسکے بعد ۱۸۳۹ء میں سرسید آگرہ کے کمشنری دفتر میں نائب منشی مقرر ہو گئے۔ اسی دفتر میں کام کے دوران آپ نے منصفی کا امتحان پاس کیا۔ دسمبر ۱۸۴۱ء میں منصف مین پوری کے عہدہ پر آپ فائز ہوئے۔ اگلے ہی مہینے جنوری ۱۸۴۲ء میں مین پوری چھوڑ کر آپ فتح پور سیکری تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے تقریباً چار برس منصفی کا عہدہ سنبھالے رکھا۔

سرسید نے اپنی عمر کے ۴۵ برس ملازمت میں گزارے، اس دوران وہ سرکاری فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور ترویج و علوم کیلئے کوشاں رہے، سرکاری ملازمت کو جب اپنے مشن میں حائل دیکھا تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور قومی مصلح کی حیثیت سے سرگرم عمل ہو گئے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے میں سرسید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سرسید نے ہندوستانی عوام کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

”جب میں اپنے ہم وطنوں کے حال پر نظر کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہ گزشتہ حالات سے اس قدر

ناواقف ہیں کہ آئندہ رستہ چلنے کو ان کے پاس کچھ بھی روشنی نہیں ہے، وہ نہیں جانتے ہیں کل کیا تھا

اور آج کیا ہے۔ وہ اس سبب کچھ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ کل کیا ہوگا۔ وہ نہیں جانتے کہ دنیا میں جو بہت چھوٹی چھوٹی قومیں تھیں، انہوں نے کیوں کر ترقی پائی ہے؟ اور کس طرح وہ ایک بڑے شاندار اور سایہ دار درخت کی مانند ہو گئیں؟ وہ نہیں جانتے کہ جو بڑی بڑی قومیں ایک بڑے میوے دار درخت کی مانند پھول رہی تھیں وہ کیوں کمر جھا گئیں؟“ (۵)

سرسید نے جب یہ دیکھ لیا کہ ان کی تمام تحریکیں کامیاب ہو رہی ہیں تو اخیر عمر میں خود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ میری زندگی کا جو مقصد تھا وہ تقریباً پورا ہو گیا۔ آپ اپنی خود نوشت سوانح میں رقمطراز ہیں۔ ”عمر کے اس مقام پر یہ محسوس کرتے ہوئے مجھے بڑی راحت ہوتی ہے کہ بہت سالوں سے میرا جو عزم رہا ہے، اور جو اب میری زندگی کا واحد مقصد ہے، جس نے جہاں ایک جانب میرے ہم وطنوں کی استعداد کو ابھارا ہے، وہاں دوسری طرف انہیں انگریزی رعایا سے ہمدردی حاصل ہوئی ہے، اور اپنے حاکموں کا تعاون حاصل ہوا ہے، اب جبکہ میری زندگی کے چند سال باقی ہیں، جو ختم ہو جائینگے اور میں تمہارے درمیان موجود نہیں ہوؤں گا۔“ (۶)

سرسید کی تحریروں اور سرگرمیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اکتوبر ۱۸۷۰ء کو آپ انگلینڈ سے ڈیڑھ سال بعد ہندوستان واپس تشریف لائے تو ایک نئے عزم و ارادہ لئے ہوئے تھے، اور قومی تعلیم کے سلسلے میں اپنے خیالات کو باضابطہ مرتب کر چکے تھے۔ واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو سرسید نے تہذیب الاخلاق کا پہلا پرچہ شائع کر دیا، اس پرچہ کا مقصد قومی تعلیم کیلئے نئی دعوت و فکر عمل دینا تھا۔ ”سرسید احمد خاں اور ان کا عہد“ کی مصنفہ ثریا حسین سرسید کی تحریر کے حوالہ سے لکھتی ہیں:

”اسٹیل اور ایڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے زمانے کے لوگ ان کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے، اور ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے خلاف کہا جاتا ہے، اور ان کا پڑھنا باعثِ عذاب سمجھا جاتا ہے، اسٹیل اور ایڈیسن بنے بنائے دل اپنی طرف جھکاتے تھے ہم کو مشکل ہے ہمیں دل بھی بنانا ہے، اور ہمیں ہی اس کو جھکانا ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم ایک مسکین پرچہ کے ذریعے ہندوستان میں وہ کچھ کریں گے، جو کچھ ایڈیسن اور اسٹیل نے انگلستان میں کیا، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔“ (۷)

۱۸۷۵ء میں انڈیا میں انگریزی تعلیم ترقی کر چکی تھی، لیکن اسکے باوجود ملک میں مسلم گریجویٹ کم و بیش بیس کے آس پاس ہی تھے، لیکن مسلمانوں کو اپنی تعلیمی پسماندگی کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں تھا، وہ اپنے قدیم علوم پر فخر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بے روزگاری اور افلاس کا بڑا سبب جدید علوم و فنون سے ناواقفیت

تھی، یہ تمام باتیں سرسید کو پریشان کئے ہوئے تھیں، جب آپ نے حالات پر غور و فکر کیا تو آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ:

”جو علوم مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر پسند ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں ہیں اور باعث ان کی مفلسی اور محتاجی کا ہیں، کیونکہ مفلسی کا اصل سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل برابر ہے اسلئے لوگوں کو ان سے نہ تو کچھ فائدہ پہونچا ہے اور نہ ہی وہ خود اپنا کچھ بھلا کر سکتے ہیں تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اول مفلس اور محتاج پھر نالائق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور بد معاش ہوتے ہیں“ (۸)

سرسید کی ان تمام گفتگو سے آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انکے نزدیک مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کیلئے تعلیم کتنی ضروری ہے، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اس ضرورت کو محسوس کریں۔ ۲۶ مئی ۱۸۷۳ء کو سرسید نے پنشن میں ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

”کہ جس وقت اولاد کی تربیت کا ذکر آتا ہے، تو رئیسوں اور دولت مندوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تعلیم خاص اپنے اہتمام سے اور ہر ایک علم کے عالم کو کر رکھ کر بخوبی کر سکتے ہیں، بعض کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کو اپنی ہی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنی کافی ہے مگر یہ ایک بڑی غلطی ہے جو اپنی اولاد کے ساتھ دشمنی ہے“۔ (۹)

سرسید نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ آپ اپنا انتہا پسندانہ رویہ ترک کرو اور جب انگریزی علوم سے آراستہ و پیراستہ ہوں گے، تبھی حالات پر قابو پا سکتے ہو، سرسید یہ چاہتے تھے کہ لوگ شعر و شاعری اور قوالیوں کی محفل اور اس طرح کی دوسری خرافات سے اپنے کو باز رکھیں، زندگی کی حقیقت سے آشنا ہو آئیں، انگریز چونکہ سائنس ٹیکنالوجی اور اس جیسے دوسرے علوم میں بہت ترقی کر چکے ہیں سب ان کو اپنا آئیڈیل بنائیں ان سے استفادہ کریں۔

۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء کو سرسید نے لدھیانہ میں اپنے لیکچر میں کہا کہ:

”انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اپنے عزیز اور پیارے بچوں کو غارت نہ کرواؤ! پرورش کرو ابھی وقت ہے اور تم سب کچھ کر سکتے ہو، مگر یاد رکھو میں یہ پٹن گوی کرتا ہوں کہ اگر اور چند روز تم اسی طرح غافل رہے، تو ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ تم چاہو گے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو، ان کی تربیت کرو، مگر تم سے کچھ نہ ہو سکے گا، میں جو کچھ کہتا ہوں تمہارے بچوں کی بہتری کیلئے کہتا ہوں، تم انہیں پر رحم کرو اور ایسا کچھ نہ کرو کہ آئندہ کو پچھتانا پڑے“۔ (۱۰)

حیاتِ جاوید کے مصنف الطاف حسین حالی سرسید کے انتقال کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”انتقال سے پہلے ۲۳ مارچ ۱۸۹۸ء کو اقتباس بول کا عارضہ لاحق ہوا، ۲۹ کی صبح سے نہایت

نیز سردرد لاحق ہوا، اسی دن شام کو شدید لرزہ کے ساتھ تپ چڑھی اور تھوڑی سی دیر میں ہڈیاں کی

صورت پیدا ہو گئی اور تین گھنٹے سخت کرب اور بے چینی کے بعد رات دس بجے حاجی اسماعیل خاں کی

کوٹھی میں (جہاں تقریباً دس بارہ روز سے موجود تھے) وفات پائی۔“ (۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ سرسید یہی چاہتے تھے کہ مسلمان ایسے مقام پر پہنچ جائے اور آنے والی نئی نسل کو ترقی دے اور اسے مہذب بنانے میں مددگار ہو، کیونکہ آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ انگریزوں کو صرف تعلیم ہی کے ذریعہ زیر کیا جاسکتا ہے، ان کو مادی طاقتوں سے شکست دینا ہمارے بس سے باہر ہے، اسکے لئے جدید تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے، بغیر جدید تعلیم کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہے۔ چنانچہ وہ خود ایک جگہ رقمطراز ہیں:

”میں ہندوستانیوں کی ایسی تعلیم چاہتا ہوں کہ اسکے ذریعہ ان کو اپنے حقوق حاصل ہونے کی قدرت

ہو جائے۔“ (۱۲)

سرسید کے افکار و خیالات کی روشنی میں ہمیں اپنا تعلیمی سفر جاری رکھنے کی آج بھی اشد ضرورت ہے، سرسید نے جو تحریک شروع کی تھی اس کو آگے بڑھانا ہم سب کا فرض منصبی ہے۔

﴿حواشی﴾

- ۱- سرسید احمد خان، خودنوشت حیاتِ سرسید (ضیاء الدین لاہوری، ص: ۴۳، عاکف بکڈ پونٹی دہلی ۲۰۰۵ء۔
- ۲- ثریا حسین، سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص: ۲۹، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۲۰۰۶ء۔
- ۳- سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص: ۳۱۔
- ۴- خلیق احمد نظامی، سرسید احمد خان، ص: ۲۹-۳۰، پبلیکیشنز ڈویژن منسٹری آف انفارمیشن اینڈ برڈ کاسٹنگ گورنمنٹ آف انڈیا جون ۱۹۷۱ء۔
- ۵- خلیق احمد نظامی، سرسید کی فکر اور عصرِ جدید کے تقاضے، ص: ۳۸، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی ۱۹۹۳ء۔
- ۶- سرسید احمد خان، خودنوشت حیاتِ سرسید (ضیاء الدین لاہوری)، ص: ۲۵۶، مطبوعہ جنگ پبلیکیشنز۔
- ۷- سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص: ۲۵۰-۸- سرراس مسعود (مرتب) خطوط سرسید، ص: ۳۹، بدایوں ۱۹۲۲ء
- ۹- ملک فضل الدین (مرتب) سرسید کے مضامین، تہذیب الاخلاق لاہور، ص: ۴۲۹، ۱۳۲۳ھ۔
- ۱۰- لیکچروں کا مجموعہ، ۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء، بمقام لدھیانہ صفحہ ۱۵۹۔
- ۱۱- الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ج: ۱، ص: ۳۰۳-۳۰۴، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی۔
- ۱۲- سرسید کی فکر اور عصرِ جدید کے تقاضے، ص: ۴۷۔